ڈاکٹر صغیر افراہیم

چیئر مین شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ یو۔ پی۔(انڈیا)

# بھوپال، والیانِ بھوپال اور سلطان جہاں بیگم کے مرشد کا حجرہ یا مقبرہ

Dr. Sagheer Afraheem

Chairman, Urdu Department,

Ali Garh Muslim University, Ali Garh U.P (India).

**Sultan Jahan Begum- Bhopal-History of Bhopal-Jahan Begum's Shrine and resting place.**

For a long period of time due to a misunderstanding Maulana Zia ud Din Hujra was regarded as his last resting place. The writer point out chronological evidence to support his arguments. He sheds light on the angles due to which this misunderstanding caused a lot of confusion. This rectification will not only put the dates in order for the completion of the history of Bhopal but will assist in identifying the correct resting place, too.

خوبصورت وندھیاچل کی وادیوں میں واقع بھوپال کو عروس مالوہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ سنگلاخ چٹانوں سے بنے ہوئے وندھیاچل کے پہاڑ ہمالہ کی طرح بلند تو نہیں لیکن اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتے ہیں۔ اسی کشش نے صوفی سنتوں، ادیبوں اور فنکاروں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ تہذیب وتمدن کا یہ مرکز ماضی قریب و بعید میں امن وامان، محبت وسکون اور خوشحالی کا گہوارہ رہا ہے۔ بڑے بڑے نام ور علماء وفضلا کے زیر سایہ شعراء وادباء بھی یہاں سے اُٹھے ہیں جن کے نام تاریخ میں جگمگا رہے ہیں۔ اِس خطۂ ارض کے علمی اور ادبی ماحول کو پروان چڑھانے میں حکمرانوں نے بھی اہم رول انجام دیا ہے۔ رہبر جونپوری نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے حسیں بھوپال اے پروردۂ امن و اماں
کتنی دل آویز ہے تیرے سفر کی داستاں

وندھیاچل کی سرسبز وشاداب پہاڑیوں کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی تہذیب کے تعلق سے کئی کہانیاں منسوب ہیں۔ ان میں جو مستند کہی جاتی ہے اس کے مطابق شہر بھوپال کو اُس راجا بھوج نے بسایا جس کی راجدھانی دھارنگر تھی۔

آج جہاں بڑا تالاب ہے، ماضیٔ بعید میں وہاں دو پہاڑوں کے درمیان کم فاصلے کو دیکھ کر اُس نے حد بندی کراتے ہوئے اُسے رونق بخشی۔ نوتعمیر علاقہ راجا کے نام کی مناسبت سے شہر 'بھوجپال' کہلایا جو کثرت استعمال سے بھوپال مشہور ہوا۔ بھوجپال میں جہاں بہت بڑا پشتہ بنوایا گیا تھا وہاں ایک مضبوط قلعہ بھی تعمیر کیا گیا۔ اب اس کے اہم نشانات تو باقی نہیں مگر اُس علاقے کو آج بھی پُرانے قلعے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

> وقت گزرتا رہا۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے رہے، ان کی رونقوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسے وقت کی ستم ظریفی ہی کہیں گے کہ راجا بھوج کا بھوج پال اپنے آپ میں سمٹتا گیا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اچانک یہ ایک زندہ شہر کی شکل میں نمودار ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ۱۷۰۷ء کے بعد محض مغل حکومت ہی نہیں بلکہ پورا ملک افراتفری میں مبتلا ہوا۔ خودمختاری کے اعلانات کے ساتھ صوبوں کی نئی حد بندیاں ہونے لگیں۔ دوسروں کی طرح بہادر نوجوان دوست محمد خاں نے بھی قسمت آزمائی کا جتن کیا۔ ابھی اورنگ زیب کی وفات کے پندرہ سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ صوبۂ سرحد سے آنے والا اولوالعزم سردار بانیٔ ریاست بھوپال کی شکل میں 'بھوج پال'' کو ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے۔[۱]

اُس نے اپنے ۱۸/سالہ دورِ حکومت میں [۲] ریاست بھوپال کی بنیادوں کو بے پناہ مضبوط کیا۔ چھوٹا بیٹا سلطان محمد خاں بارہ برس کی عمر میں مسندنشین کرایا جاتا ہے مگر چند ماہ بعد ہی بڑا بیٹا یار محمد خاں یہ ذمہ داری سنبھال لیتا ہے[۳] اور بھوپال کا پہلا نواب قرار پاتا ہے۔ تیرہ سال حکومت کر کے وہ ۳۲/برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔[۴] نواب فیض محمد خاں[۵]، نواب حیات محمد خاں[۶]، نواب غوث محمد خاں[۷]، نواب وزیر محمد خاں[۸] اور نواب نظر محمد خاں[۹] سے ہوتی ہوئی یہ حکومت ۱۸۱۹ء میں گوہر بیگم کے حصہ میں آتی ہے جو قدسیہ بیگم کے نام سے مشہور ہوئیں[۱۰] انھوں نے نہایت دانشمندانہ اور منصفانہ طریقے سے ہر شعبہ اور ہر محکمہ کو چُست دُرست کیا، ان گنت فلاحی کام کیے۔

قدسیہ بیگم کے بعد ان کی بیٹی سکندر بیگم مسندنشین ہوئیں[۱۱]۔ وہ دوستوں اور دشمنوں میں Iron Lady کے نام سے جانی گئیں۔ انھوں نے حج بیت اللہ کا سفر کیا۔ حاجیوں کے لیے مکہ مکرمہ میں مستقل رہائشی انتظام کرایا۔ فارسی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ عطا کیا۔ سرسید احمد خاں کے منصوبوں کی ستائش کی[۱۲]۔ مدرسۃ العلوم کے قیام سے نو سال قبل جب وہ بھوپال گئے تو نہ صرف ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا بلکہ بیگم صاحبہ نے الماس کی ایک قیمتی انگوٹھی بھی مرحمت فرمائی۔ رجب علی بیگ سرور سے قصّہ لکھوایا۔ ۳۰/اکتوبر ۱۸۶۸ء میں سکندر بیگم کی وفات کے بعد شاہجہاں بیگم نواب ہوئیں اور ان کی بیٹی سلطان جہاں ولی عہد قرار دی گئیں (۱۶/نومبر ۱۸۶۸ء)۔ شاہجہاں بیگم نے ریاست میں ریل کے نظام کا بندوبست کیا۔ کارخانے لگوائے۔ تاج المساجد بنوائی اور برطانیہ میں بھی ایک بڑی مسجد تعمیر کروائی۔ ۱۹۰۱ء میں ان کے انتقال کے بعد سلطان جہاں مسندنشین ہوئیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم ۹/جولائی ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئیں۔ والد نواب بخشی باقی محمد خاں انھیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ اُن کے انتقال کے وقت سلطان جہاں کی عمر دس سال تھی۔ ۱۷/اکتوبر ۱۸۷۳ء کو رسم منگنی، یکم فروری ۱۸۷۵ء کو نواب احمد علی خاں سے شادی ہوئی اور دو کروڑ روپیہ مہر مقرر ہوا۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ محترمہ

بھوپال کے فرماں رواؤں میں گیارہویں اور بیگمات میں چوتھے نمبر کی حکمراں تھیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ریاست بھوپال کی تعمیر میں خشتِ اوّل ایک خاتون یعنی فتح بی بی [۱۳] نے رکھی اور تمام بیگمات نے اس کی نشو ونما میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سلطان جہاں بیگم کا ۲۶ سالہ دور، عہد زریں کہلاتا ہے۔ نانی اور ماں کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی بے حد حساس خاتون نے اپنی قوتِ ارادی، تعمیری سوچ، شعرفہمی اور علم دوستی کی بدولت ریاست بھوپال کو تاریخ کے اوراق میں زندہ اور تابندہ کر دیا۔ ادبی تصانیف میں ان کی چھوٹی بڑی ۴۰ کتابیں ہیں جن میں امور مملکت سے حفظان صحت اور امور خانہ داری تک متعدد موضوعات شامل ہیں۔

آہنی عزم کی مالک، اِس پُر وقار خاتون نے باپ، ماں کے غم کے ساتھ بیٹیوں [۱۴]، بیٹوں [۱۵]، پوتی [۱۶] اور پوتے [۱۷] کی موت کے صدمات سہے جنھوں نے موصوفہ کو اس حد تک نڈھال کر دیا کہ ۱۹۲۶ء میں تخت و تاج کو خیر باد کہا [۱۸] مگر اشرف المخلوقات کی خدمت سے کبھی بھی غافل نہیں ہوئیں۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو بھوپال کی اِس نامور حکمراں کا ۷۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ قصرِ سلطانی کے قریب مسجد صوفیہ میں مولوی سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری مجدّدی کے حُجرے کے پاس دفن ہوئیں۔

بھوپال اور والیانِ بھوپال کا ذکر بچپن سے میری دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ پروفیسر ذکیہ اطہر صدیقی نے جب سلطان جہاں بیگم کی حیات و خدمات پر علی گڑھ میں سیمینار کرانے کا ذکر کیا تو میں نے دستیاب مواد یکجا کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران بعض حیرت انگیز تحریریں سامنے آئیں جن سے یہ انکشاف ہوا کہ:

> ''نواب سلطان جہاں بیگم انتقال کے بعد مولوی ضیاء الدین کے مقبرے کے پاس دفن ہوئیں۔'' [۱۹]

جب کہ میں سنتا آیا تھا کہ ان کی تدفین مولوی ضیاء الدین کے حجرے کے پاس ہوئی تھی۔ اور بیگم صاحبہ کے انتقال کے وقت مولوی ضیاء الدین حیات تھے۔ بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نمازِ جنازہ محترم نے ہی پڑھائی تھی لہٰذا بڑھتے ہوئے تجسس نے بھوپال میں نصب کتبہ کے مطالعے پر اُکسایا جس پر کندہ ہے:

> ''**ھو القیوم**--------- آرام گاہ
>
> حضرت قدسی مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب فاروقی نقش بندیؒ
>
> مرید حضرت مولانا ابواللیثؒ
>
> خلیفہ مولانا شاہ ولی اللہؒ
>
> تاریخ وسنِ وفات ۶ محرم الحرام سن ۱۲۵۱ھ''

بات اتنی ہی ہوتی تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ کتبہ کی پیشانی پر درج لفظ 'آرام گاہ' سے لوگوں کو دھوکہ ہوا ہوگا اور حجرہ/آرام گاہ کو غلطی سے آخری آرام گاہ سمجھ لیا گیا ہوگا۔ لیکن تاریخ وسنِ وفات؟ (۶ محرم الحرام سن ۱۲۵۱ھ) اس سلسلے میں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ سعودی عرب یا مروجہ عربی میں اکثر ایک شوشہ کو کچھ اس طرح لکھا جاتا ہے کہ اس سے اردو رسم الخط میں تین شوشے کا گمان گزرتا ہے اس لیے ۱۲۵۱ھ کو ۱۳۵۱ھ بھی پڑھا جاسکتا ہے جو سنِ عیسوی کے اعتبار سے ۱۹۳۲ء ہوتا ہے۔ اناؤ میں جو روایت مشہور ہے اس کے مطابق مولوی ضیاء الدین ۱۹۳۸ء میں اپنے آبائی وطن واپس آئے اور اگلے سال

۷؍رجب کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے جبکہ مولوی ضیاء الدین کے نواسے نقشبند قمر نقوی بھوپالی لکھتے ہیں[۲۰] کہ وہ ۱۹۴۰ء میں انّا وَ واپس آئے اور ۱۹۴۱ء میں یہیں وفات پائی۔ یہ محض دو سال کا اختلاف ہے جس کے کئی جواز پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ۷؍رجب یا ۶؍محرم کی بھی دلیل تلاش کی جا سکتی ہے لیکن اگر کتبے کی تاریخ (۶؍محرم الحرام سن ۱۲۵۱ھ) پر ہی اکتفا کیا جائے تو وہ دور قدسیہ بیگم کا تھا۔ قدسیہ بیگم کے بعد نواب سکندر بیگم تب کہیں جا کر نواب شاہ جہاں بیگم کا زمانہ آتا ہے۔ نواب شاہ جہاں بیگم کے عہد میں ان کے پیر و مرشد سید رضا شیریں رقم دہلی سے بھوپال آتے ہیں اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ حضرت شیریں رقم کے خلفاء میں مولوی ضیاء الدین تھے جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کی وفات پر قطعۂ تاریخ وفات[۲۱] کہا جس سے ۱۳۲۴ھ نکلتا ہے۔ مولوی ضیاء الدین سے نواب صدیق حسن، شاہ جہاں بیگم اور خاص طور سے سلطان جہاں بیگم دینی معاملات میں مشورہ کیا کرتی تھیں لہٰذا کتبے کی تاریخ نہ صرف پس و پیش میں مبتلا کرتی ہے بلکہ اس سے تجسس بڑھتا ہے اور از سرِ نو مطالعے پر اکساتا ہے۔ مذکورہ عہد پر مشتمل مستند کتاب

An Account of my life(Part II, Nawab Sultan Jahan Begum.

Translated by, Major Abdussaeed Khan)

کے صفحہ نمبر ۲۱۸ پر درج ہے کہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ضیاء ٹیکری پر احمد آباد پیلیس، قصر سلطانی بنا اور ترکی کی یک میناری مسجد سے متاثر ہو کر صوفیہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ اس کی تصدیق عابد علی وجدی الحسینی کی کتاب ''تاریخ ریاستِ بھوپال'' (صفحہ ۹۶) اور طیبہ بی کی مرتب کی ہوئی کتاب ''تاریخ فرمانروایانِ بھوپال'' (صفحہ ۱۳۶) سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جگہ مولوی ضیاء الدین کے نام سے جانی جاتی تھی اور اس کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ مسجد کے صحن میں ان کا حجرہ تھا۔ بعد میں صحن میں چار اور قبریں تعمیر ہوئیں (نواب سلطان جہاں بیگم، نواب حمید اللہ خاں، رابعہ سلطان اور ان کے شوہر آغا نادر مرزا)

۱۲؍مئی ۱۹۳۰ء کو بیگم بھوپال کا انتقال ہوا[۲۲] تو انھیں وصیت کے مطابق پیر و مرشد حضرت سید رضا شیریں رقمؒ کے خلیفۂ اول مولوی سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری مجددی کے حجرے کے پاس (مشرق کی طرف، دس فٹ کے فاصلے پر) دفن کیا گیا۔ نواب حمید اللہ خاں نے جب مسجدِ صوفیہ کی تعمیرِ نو کروانی شروع کی تو مولوی ضیاء الدین اپنے آبائی وطن انّا وَ (اتر پردیش) آئے ہوئے تھے۔ نئی تعمیر کچھ اس انداز سے ہوئی کہ نواب سلطان جہاں بیگم کی قبر مسجد کے صحن میں آ گئی بعد میں نواب محمد حمید اللہ خاں، سلطان جہاں بیگم کے قدموں میں دفن ہوئے۔

اکیس سال کی عمر (۱۸۹۴ء) میں مولوی ضیاء الدین بھوپال گئے اور ۶۵ برس کی عمر (۱۹۳۸ء) میں انّا وَ واپس آ گئے۔ چند ماہ علیل رہنے کے بعد ۷؍رجب ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء) کو ۶۶ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ اس نسبت سے تاریخ کے اوراق کو پلٹ کر دیکھا تو نظریں انّا وَ کے نام ور شخص کرامت علی صاحب پر جا کر ٹھہر گئیں۔ ان کی چار بیٹیاں تھیں[۲۳] جن میں سے دو اپنے وقت کے جید عالم سید محمد ابراہیم شاہ اور مولوی سید ضیاء الدین حسن سے منسوب ہوئیں۔ بعد کی پشت میں بھی یہ قرابت داری قائم رہی۔ مولوی سید ضیاء الدین کی بیٹی سیدہ رقیہ کا نکاح سید محمد ابراہیم شاہ کے بیٹے ڈاکٹر سید محمد افراہیم شاہ سے ہو گیا۔

یہاں انّا وَ کی تاریخ کا بیان نفسِ مضمون سے متعلق نہیں لیکن اس کا ضمنی ذکر ضروری ہے۔ انّا وَ، اجودھیا کا سرحدی

علاقہ اورصوبۂ اودھ کا مردم خیز خطہ رہا ہے۔آج بھی یہ شہر اپنے دامن میں درجنوں فیکٹریوں کو سمیٹے ہوئے کاشت کے اعتبار سے نہایت زرخیز ہے۔اس کے ایک جانب ملک کی بڑی ندی گنگا ہے تو دوسری طرف سئی ندی۔ چھوٹی چھوٹی نہریں، بڑے بڑے تالاب اور جھیل نے اناؤ کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ روایت ہے کہ شری رام چندر جی بن باس جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے تھے اور طرح طرح کے پرندوں کے اس بسیرے کو انھوں نے بہت پسند کیا تھا۔لکھنؤ، ہردوئی، کانپور، فتح پور اور رائے بریلی کے مابین بسا ہوا یہ شہر اپنے قصبات کی وجہ سے بھی بے حد مشہور ہے۔ مثلاً گنج مراد آباد، نیوتنی، موہان، آسیون، صفی پور وغیرہ شروع سے عربی اور فارسی کا گہوارہ کہلائے ہیں تو بانگرمئو، پُروا، مورا واں سنسکرت اور ہندی کا مرکز ہیں اور حسن گنج، بدرکا، ہڑہا وغیرہ انقلاب زندہ باد کے نعروں سے گونجتے رہے ہیں۔ یہ بھی روایت مشہور ہے کہ راجا اُنونت راؤ نے اس شہر کو سجانے سنوارنے میں بڑی دلچسپی دکھلائی تھی۔اس کا بنوایا ہوا بے حد پائیدار قلعہ سید سالار مسعود غازی کے ذریعے مسلمانوں کے تسلط میں آیا اور کچھ عرصے بعد بالائے قلعہ شاہی مسجد تعمیر ہوئی۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ صدیوں بعد اسی شاہی مسجد کے صحن میں سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری کی تدفین ہوئی۔(صحن کے باہران کے ہم زلف سید محمد ابراہیم شاہ کا مقبرہ ہے اور ۵؍صفر کو ان کا سالانہ فاتحہ ہوتا ہے)۔

مولوی سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری مجددی اپنے وقت کے جید عالم، تاریخ اور فلسفۂ اسلامی کے محقق اور عظیم دانشور تھے۔آپ کی ولادت ۱۸۷۶ء میں قصبہ آسیوَن ضلع اناؤ میں ہوئی۔موصوف نے ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔۱۹ سال کی عمر میں مشہور وکیل کرامت علی کی بیٹی سیدہ عابدہ سلطان سے شادی ہوئی۔ دو سال بعد اپنے پیر و مرشد حضرت علی الدین حسن صاحب کے مشورے کے مطابق بھوپال گئے اور پرانے قلعے کے ایک مکان میں سکونت اختیار کی۔اسی سال بھوپال کے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور عالمِ دین کی ڈگری حاصل کی۔اپنے عہد کے بزرگِ کامل سید رضا مُلقّب شیریں رقم سے بیعت ہوئے، حلقۂ ارادت روز بروز وسیع ہوتا گیا جس میں شاہی خاندان کے افراد بھی شامل تھے۔

مولوی سید ضیاء الدین صاحب کا رابطہ اناؤ سے جسمانی اور روحانی طور پر برقرار رہا۔آخری عمر میں وہ بھوپال سے اپنے آبائی وطن واپس آ گئے اور محلّہ قلعہ میں سکونت اختیار کر لی ۲۴۔اس وقت قلعہ کے تقریباً تمام نقوش مٹ چکے تھے محض چند برجیاں برقرار تھیں۔ یہ برجیاں صدر بازار سے آنے والے راستے پر تھیں۔ زیرِ قلعہ آبادی کا طویل سلسلہ تھا۔ملحق بستیوں میں شیخ واڑہ، چودھرانہ، گدّیانہ، زیرِ دھس، زیرِ کھڑکی، قیصر گنج بازار وغیرہ تھے۔ قلعے کا اوپری حصہ ایک بہت بڑے میدان کی شکل میں تھا جس میں ہفتے میں تین دن بازار لگتا (اب دو دن، اتوار اور بدھ کو)۔میدان کے دونوں سروں پر ایک ایک بڑی بلڈنگ چھوٹے بڑے جانوروں کے گوشت کے لیے تھی جو حکومت کی طرف سے بنوائی گئی تھی اور جس کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔دو بہت بڑی پانی کی ٹنکیاں قرب و جوار میں پانی مہیا کرتیں۔ایک پولیس چوکی، میدان کے دونوں سروں پر شیعہ اور سنّی حضرات کی مسجدیں۔ درمیان میں قدیم شاہی مسجد۔خانۂ خدا سے ملا ہوا حضرت ابراہیم شاہ کا مکان۔ فاصلے پر آفتاب پریس۔مسجد کی پشت پر کئی مکان جن میں مولوی ضیاء الدین اور ان کے اعزاء رہتے تھے۔ایک روز ظہر کی نماز کے دوران شاہی مسجد میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔تیسرے روز اشراق کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ پیامِ اجل آ پہنچا اور ۷؍رجب کی علی الصبح ۶۶ سال کی عمر میں آپ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔مشہور ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد سیکڑوں مریدین اور معتقدین نے نمازِ جنازہ بالائے قلعہ میدان میں ادا کی۔اس کے بعد جنازہ اٹھا کر مریدین نے میدان کا ایک چکر کاٹا تا کہ سب کاندھا دے لیں۔ورنہ قبر تک فاصلہ ہی کتنا تھا! قلعے کی شاہی مسجد کے صحن میں انھیں ابدی آرام کے لیے رکھ دیا گیا۔(اس احاطہ میں مولوی ضیاء الدین کے نام سے ایک مدرسہ بھی جاری ہے۔)

تاریخ اور روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ ایک بزرگ (مولوی ضیاء الدین صاحب) کا حجرہ، بعد میں مقبرہ کے نام سے کس طرح منسوب ہو گیا؟ مورخین اور اہلِ علم حضرات سے گذارش

ہے کہ اس گتھی کو سلجھانے میں مدد فرمائیں۔

## حواشی

۱ : ۱۷۲۲ء میں

۲ : سردار دوست محمد خاں کا انتقال ۱۳؍دسمبر ۱۷۴۰ء میں ہوا۔

۳ : ۱۷۴۱ء میں

۴ : ۱۷۵۴ء میں

۵ : ۱۲؍دسمبر ۱۷۷۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

۶ : ۳؍جنوری ۱۷۷۸ء کو مسند نشین ہوئے۔

۷ : ۱۸۰۶ء میں

۸ : تقریباً دس سال حکومت کی۔ فروری ۱۸۱۶ء میں انتقال ہوا۔

۹ : ۱۱؍نومبر ۱۸۱۹ء میں ۲۸ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

۱۰ : نواب حیات محمد خاں کے بعد ضرورتاً فرمانروایانِ بھوپال اور سلطنتِ برطانیہ کے اتحاد کی بنیاد پڑی جس نے ۱۸۱۸ء میں ایک اہم معاہدہ کی صورت اختیار کی۔

۱۱ : ۲۸؍جنوری ۱۸۴۷ء کو باقاعدہ ریاست کا مختارِ کل بنایا گیا۔

۱۲ : سرسید کی دور بین نگاہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ریاستِ بھوپال سے کالج کی تعمیر و ترقی میں بہت مدد مل سکتی ہے چنانچہ انھوں نے بیگم صاحبہ سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ والیٔ بھوپال بھی قوم کی سچی ہمدرد اور خیر خواہ تھیں اس لیے انھوں نے علی گڑھ تحریک کی ہر طرح سے مدد کی۔

۱۳ : بھوپال کی بیگمات کے اولوالعزمانہ مساعی کی ابتدا ۱۷۲۷ء میں قلعہ فتح گڑھ کی تعمیر یعنی فتح بی بی کی سادہ زندگی کے واقعات سے ہوتی ہے اور نواب سلطان جہاں بیگم کے زریں کارناموں پر انتہا کو پہنچتی ہے۔

۱۴ : بلقیس جہاں بیگم کا بارہ برس کی عمر (۱۸۸۸ء) میں انتقال ہوا۔ آصف جہاں بیگم کا چودہ برس کی عمر (۱۸۹۴ء) میں انتقال ہوا۔

۱۵ : نواب محمد عبید اللہ خاں کا چھیالیس برس کی عمر (۱۹۲۴ء) میں انتقال ہوا۔ نواب محمد نصر اللہ خاں کا اڑتالیس برس کی عمر (۱۹۲۴ء) میں انتقال ہوا۔

۱۶ : ۱۹۱۲ء میں برجیس جہاں کا انتقال ہوا۔

۱۷ : ۱۹۳۲ء میں وحید الظفر خاں کا انتقال ہوا۔

۱۸ : ۹؍جون ۱۹۲۶ء کو باضابطہ صدر نشینی کی رسم ادا کی گئی۔

۱۹ : نواب سلطان جہاں بیگم کا ۷۲ سال کی عمر میں (۱۲؍مئی ۱۹۳۰ء) انتقال ہوا---اپنے بسائے ہوئے محلّہ احمد آباد میں قصرِ سلطانی کے قریب مولوی ضیاء الدین کے مقبرے کے پاس بنی مسجد صوفیہ میں دفن ہوئیں۔ ان کے لائق بیٹے نواب حمید اللہ خاں نے صوفیہ مسجد کی تعمیرِ نو کروادی۔ نواب سلطان جہاں بیگم کی قبر مسجد کے صحن میں

واقع ہے۔نواب سلطان جہاں بیگم، ڈاکٹر رضیہ حامد، سلسلۂ اشاعت باب العلم پبلیکیشنز نمبر۲۰، بھوپال، اشاعت دوم ۲۰۱۱ء، ص۹۹)

۲۰ : حضرت مولانا حافظ الحاج سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری نقشبندی مجددیؒ نے بھوپال سے ۱۹۴۰ء میں ہجرت کر کے اپنے وطنِ مالوف، اناؤ میں سکونت اختیار کی اور ہجرت کے دوسرے سال ۱۹۴۱ء میں اس دارِ فانی سے کوچ کر کے جنّت الفردوس میں سکونت پذیر ہو گئے۔نور اللہ مرقدہٗ۔

مزار مبارک اناؤ میں بالائے قلعہ کی مسجد کے صحن میں ہے اور حضرتؒ کے نواسے سید فاروق علی شاہ مرحوم کی اولاد سالانہ عرس منعقد کرتی ہے۔(پانچواں درویش، جلد اول، صفحہ۴۶)

۲۱ : حضرت شیریں رقمؔ کی وفات کے بعد انھوں نے اپنے پیرومرشد، حضرت شیریں رقمؔ کا قطعۂ تاریخِ وفات کہا جو ان کے کمالِ تاریخ گوئی کا نمونہ ہے:

۱۳۲۴ھ

مقاشِ قصر جنت

(اس عنوان سے بھی تاریخِ وفات نکلتی ہے)

جناب حضرت شیریں رقم خاں کہہ بودہ گنج عرفان وحقیقت
قلوب مردہ را بخشید جانہا مسیحائی نموداز حکم قدرت
ہزاراں رہروان راہ حق را نمودہ محرم راز طریقت
چو از حکم قضائے لا یز الی ازیں دار فنا گردید رخصت
ضیاء چوں جست سال رحلت از غیب
ندا آمد............مقاش قصر جنت

۱۳۲۴ھ

(پانچواں درویش، جلد اول، صفحہ۴۶)

۲۲ : ۱۲رذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۲رمئی ۱۹۳۰ء کو (عصر جدید، بھوپال۔مرتبہ محمد امین زبیری مارہروی، علوی پریس بھوپال، ۱۹۲۹ء، ص۳۴)

۲۳ : کرامت علی صاحب کی چار بیٹیاں تھیں۔تین بیٹیاں اپنے وقت کے کاملین (حضرت ابراہیم شاہ، ولی کامل/صاحبِ کیفیت) حضرت مولوی سید ضیاء الدین حسن (ولی کامل، صاحبِ کیفیت)، حافظ علی الدین شاہ (عامل) سے منسوب ہوئیں۔اور چوتھی بیٹی کی شادی بلہور کے پولیس انسپکٹر صبیح الدین صاحب سے ہوئی۔ان کے دو بیٹے (وجیہہ الدین، شریح الدین) اور دو بیٹیاں (رفیعہ، لئیقہ) تھیں۔مولوی ضیاء الدین کی تین بیٹیاں حفصہ، سلمٰی اور رقیہ تھیں۔

(آرٹس فیکلٹی جرنل، علی گڑھ، شمارہ۶، ۱۰-۲۰۰۹ء، صفحہ۱۱۶)

۲۴ : حقائق اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب نواب حمید اللہ خاں نے مسجد صوفیہ کی تعمیر نو کا منصوبہ بنانا شروع کیا تو مولوی ضیاء الدین نے شور شرابہ اور دھول گرد سے بچنے کے لیے آبائی وطن جانے کا منصوبہ بنایا۔اتفاق یہ کہ وہ وہاں سخت علیل ہوئے اور پھر اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔